(۷)

(فرمودہ ۱۱۔ جولائی ۱۹۱۸ء بمقام ڈلہوزی)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى○ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى○ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى○ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى○ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى○ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى○ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى○ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى○ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى○ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى○ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى○ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى○ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى○ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى○ [1]

عید کا لفظ اردو' فارسی اور عربی زبان میں خوشی کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن یہ معنی محاورے کے معنی ہیں۔ درحقیقت عید کا لفظ عود سے نکلا ہے اور عود کے معنی دوبارہ واپس آنے اور بار بار آنے والی چیز کے ہیں۔ [2] خوشی کے لئے یہ لفظ اس وجہ سے استعمال ہوتا ہے کہ خوشی ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے واسطے بار بار آنے کی خواہش ہوتی ہے۔ [3] دکھ' مصیبت اور رنج و غم کوئی نہیں چاہتا کہ آویں اور بار بار آویں۔ کوئی نہیں چاہتا کہ موت' جُدائی' نقصان اور گھاٹا آوے بلکہ چاہتے ہیں کہ لڑکے پیدا ہوں' تجارتوں میں فائدے ہوں' دوستوں اور عزیزوں کی ملاقاتیں ہوں' دشمن سے نجات ہو اسی واسطے محاورے میں خوشی کے لئے ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس میں بار بار آنے کے معنے پائے جاتے ہیں۔

اس لفظ میں ایک اور بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ کھوئی ہوئی چیز کے واپس آنے میں جو خوشی ہوتی ہے وہ دوسری چیزوں میں نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی شخص کے گھر میں لاکھ روپیہ موجود ہے۔ اس کی موجودگی کی کوئی خاص خوشی نہیں ہوگی جیسا کہ اس کی جیب سے ایک دس روپیہ کے گم شدہ نوٹ کے دوبارہ مل جانے کی خوشی ہوگی۔ اسی طرح ہر وقت پاس رہنے والے عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات کوئی ایسی خاص خوشی پیدا نہیں کرے گی جیسا کہ ایک مدت کے

بچھڑے ہوئے دوست کی ملاقات سے ہوگی۔ کسی شخص کے دس بیٹے ہوں اور ان میں سے ایک کے متعلق اسے یقین ہو کہ وہ مرگیا ہے اور وہ اچانک اسے مل جاوے تو اس کی یہ خوشی بے حد ہوگی اور موجودہ نو لڑکوں کی موجودگی سے کہیں بڑھ کر ہوگی بلکہ ممکن ہے بعض صورت میں شادی مرگ بھی ہو جائے کیونکہ کھوئی ہوئی چیز کے دوبارہ ملنے کی خوشی ایک خاص خوشی ہوتی ہے۔

انجیل میں حضرت مسیحؑ نے ایک واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے کئی بیٹے تھے۔ اس نے بہت سا مال ان میں تقسیم کیا اور ہر ایک کو اپنی زندگی میں ہی ایک معقول رقم دی تا مرنے کے بعد فساد نہ ہو اور جھگڑا نہ ہو۔ اس کے بیٹے مال لے کر مختلف جہات کو گئے اور انہوں نے مختلف ذرائع سے اپنے اموال کو بڑھایا اور فائدہ اٹھایا۔ مگر ایک لڑکے نے اپنا روپیہ اپنی غفلت اور سُستی اور غلط کاری و عیاشی کے باعث تمام کا تمام ضائع و برباد کر دیا اور کچھ بھی اس کے پاس باقی نہ رہا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ بھوکا اور ننگا ہو گیا اور مجبوراً اسے ایک سؤر پالنے والے کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ آخر ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ میرے باپ کے کئی نوکر چاکر ہیں وہ ان کو کھانا کھلاتا ہے اور کپڑے پہناتا ہے اگر میں بھی واپس جاؤں تو کیا وہ مجھے کھانے اور پہننے کو نہ دے گا۔ اس خیال سے وہ واپس آیا اور شرم کے مارے اپنے باپ کے سامنے تو نہ گیا بلکہ اس کے نوکروں میں بیٹھ گیا۔ کسی نے اس کے باپ کو اطلاع کر دی۔ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ بتاؤ اس کے باپ نے یہ خبر پا کر کیا کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں۔ اس نے فوراً ایک موٹا تازہ بکرا منگایا اور قربانی کیا اور اس کے واپس آنے کی بہت بڑی خوشی منائی۔ نوکروں میں سے اٹھا کر عزت کی جگہ بٹھلایا۔ تب اس کے دوسرے بیٹوں نے باپ سے کہا کہ ہم بھی آپ کے لڑکے تھے اور ہم نے آپ کے مال کی حفاظت کی اور خوب اس کو بڑھایا مگر آپ نے ہمارے آنے پر اس قدر خوشی کا اظہار نہیں کیا جس قدر کہ اس لڑکے کے آنے پر اور اس کے لئے موٹا بکرا ذبح کیا مگر ہمارے لئے ایک دُبلی بکری بھی ذبح نہ کی۔ اس پر ان کے باپ نے کہا کہ تمہاری غلطی ہے تم کھوئے نہ گئے تھے کہ میں نے تم کو پایا مگر یہ میرا بیٹا کھویا گیا تھا اور اب میں نے اسے پایا ہے۔ پس اس کے آنے پر اسی قدر خوشی چاہئے تھی۔ [ئە] یہ تو ایک ایسے باپ کا ذکر ہے جس کے کئی بیٹے تھے۔ اگر کسی کا ایک ہی بیٹا ہو اور وہ کھویا جائے۔ پھر مدتوں بعد واپس آ جائے تو اس کی خوشی کتنی بڑی خوشی ہوگی اور وہ اس کے واپس آ جانے پر کیا

کیا خوشی کرے گا۔ اندازہ کرلیں۔

ایک شخص جس کے پاس ہزاروں روپے ہیں وہ اگر ایک کھویا ہوا روپیہ پاتا ہے تو اس کو بھی ایک خوشی ہوتی ہے۔ مگر اس شخص کی خوشی کا اندازہ کرو جس کے پاس چند روپے تھے اور وہ گر گئے۔ بہت سرزنی اور بہت سرگردانی و مایوسی کے بعد اچانک اسے مل گئے۔ خیال کرتے ہو کہ اس کو کس قدر خوشی ہوگی۔

ایک شخص جو کسی لمبے جنگل میں سفر کر رہا ہو جہاں نہ کھانے کو کچھ ملتا ہو اور نہ پینے کو میسر آتا ہو ایسے ہولناک جنگل میں اس کے پاس جو کچھ تھوڑا سا کھانا اور پانی ہو وہ کسی طرح اس سے گم ہو جائے یا کھویا جائے اور جب وہ بالکل مایوس ہو جائے تو پھر اسے اچانک وہ کھانا اور پانی مل جاوے تو اسے کس قدر خوشی ہوگی۔

حضرت مسیحؑ نے تو بہت سے بیٹوں کی مثال دی ایک گُم ہو گیا مگر باقی موجود تھے کیونکہ حضرت مسیح تمام دنیا کے لئے مبعوث نہ ہوئے تھے بلکہ آپ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے تھی۔ ۵؎ ان کی مثال بتاتی ہے کہ اگر ان کی اپنی قوم حق و راستی سے دور ہو کر راہ راست سے گُم گشتہ تھی تو بعض اور قومیں دنیا میں اس وقت ایسی بھی موجود تھیں جن میں نیکی و تقویٰ اور خدا پرستی موجود تھی۔ ان کی مثال بتاتی ہے کہ اس باپ کے اکثر بیٹے لائق اور ہونہار تھے صرف ایک بیٹا نالائق اور عیاش تھا جو ان کی اپنی قوم کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں دنیا میں نیک اور خدا پرست لوگ کثرت سے موجود تھے اس لئے ان کی مثال میں **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ** ۶؎ کا نقشہ نہیں پایا جاتا بلکہ **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِیْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** کا رنگ نظر آتا ہے۔

مگر برخلاف ان کے ہمارے رسول کریم ﷺ چونکہ تمام دنیا کے واسطے مبعوث ہوئے تھے اور آپؐ کی تعلیم کسی خاص ملک یا قوم کے لئے نہ تھی بلکہ تمام دنیا کے واسطے بِلا تخصیص زمانہ و مکان تھی اور آپؐ کی بعثت کے وقت **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ** کا پورا پورا نقشہ موجود تھا۔ لہٰذا آپؐ نے جو مثال دی وہ بھی اس مضمون کی شاہد ناطق ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اونٹنی پر سوار ایک بہت بڑے وسیع جنگل میں جا رہا ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس سواری کے بغیر اس جنگل سے گذرنے کی اور کوئی سبیل نہیں اور نہ کوئی اور چارہ ہے۔ اتفاقاً وہ سواری اس سے گُم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش میں ادھر ادھر بے تابانہ پھرتا رہے لیکن

اسے وہ سواری نہ ملے۔ آخر دوپہر تک کی تلاش کے بعد تھک کر ایک درخت کے نیچے لیٹ جائے اور اپنی سواری سے ناامید ہو کر سو جائے مگر اچانک اس کی آنکھ کھُلنے پر اپنے پاس ہی اپنی ناقہ کو کھڑا دیکھے تو اس کے ملنے پر اسے کس قدر خوشی ہو گی۔ خدا تعالیٰ کو بھی اپنے بندے کے واپس آنے اور اپنے مولا کی طرف رجوع کرنے پر ایسی ہی خوشی ہوتی ہے۔ ؎

ان دونوں مثالوں میں فرق ہے۔ حضرت مسیح جب دنیا میں مبعوث ہو کر آئے اس وقت بنی اسرائیل کے سوا باقی اکثر اقوام میں صلاحیت و تقویٰ' نیکی اور دینداری موجود تھی اور روحانی پانی ان کو سیراب کرتا تھا۔ جیسا کہ حضرت مسیح کی مثال سے مستنبط ہوتا ہے کہ باپ کے بیٹے قابل' لائق' ہونہار اور فرمانبردار موجود تھے صرف ایک گمراہ تھا جس کا ذکر کر کے حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو بتایا ہے کہ بنی اسرائیل کی مثال اس نالائق اور نادان بیٹے کی سی ہے اور کہ آپؑ اس قوم کی اصلاح کو مبعوث ہوئے ہیں۔

برعکس اس کے ہمارے رسول کریم ﷺ کے زمانہ بعثت میں تمام دنیا میں گمراہی اور جہالت پھیلی ہوئی تھی اور کوئی ملک اور کوئی قوم بلا تخصیص ملکی و قومی گمراہی اور گناہ کے اتھاہ گڑھے سے باہر نہ تھی۔ نہ کوئی ملک اور نہ کوئی قوم اس وقت دنیا کی آبادی میں ایسی موجود تھی جو روحانی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ اور انسانوں میں سے کوئی جماعت بھی خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ تھی۔ گویا سب کے سب بندے خدا تعالیٰ کے راستہ سے کھوئے گئے تھے۔ اس وقت آپؐ مبعوث ہوئے اور کھوئے ہوئے بندوں کو پھر خدا تعالیٰ کے پاس لائے۔ پس حضرت مسیحؑ نے ایک ایسے شخص کی مثال دی جس کی اکثر اولاد نیک تھی اور ایک خراب تھی تا اپنے احاطہ تبلیغ کی طرف اشارہ کرے۔ اور رسول کریم ﷺ نے ایک ایسے شخص کی مثال دی جس کا سب کچھ کھویا گیا تھا تاکہ ان کے احاطۂ تبلیغ کی طرف اشارہ ہو۔ اور یہ دونوں مثالیں ان دونوں نبیوں کے مدارج کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

پس عید ہم کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اگر حقیقی خوشی چاہتے ہو تو ضائع شدہ مال و منال کی تلاش کرو۔ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مسلمانوں کے لئے تو عید ایک عبرت کا مقام ہے۔ وہ شخص کیا خوشی کر سکتا ہے اور کیونکر اس کا دل خوش ہو سکتا ہے جس کو ذلت وادبار نے گھیرا ہو' جو مصائب و مشکلات میں پھنسا ہو' جو اپنے موروثی ملک سے بدر کیا جا چکا ہو' جو شدائد کی وجہ سے اپنی ماں' باپ' بہنوں سے الگ ہو رہا ہو' جو بجائے دوستوں کے

دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا ہو' بدبختی اور بدنصیبی کے باعث جس کے گھر میں ہر وقت جنگ و جدل' لڑائی جھگڑا رہتا ہو اور افلاس اور تنگی اسے سر نہ اٹھانے دیتی ہو ایسے شخص کی خوشی اور عید جس کے اندرونی حالات ایسے ہوں صرف ظاہری عمدہ لباس سے پوری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس کا ہنسنا اور لوگوں میں بیٹھ کر خوشی کا اظہار کرنا اس کی دلی خوشی کا ثبوت دے سکتے ہیں بلکہ یہ تو ایک منافقانہ حالت ہے کہ اندر کچھ اور ظاہر کچھ۔ اور ایک عذاب ہے کہ دل تو اندر سے افکار و غموم سے کباب ہو رہا ہے مگر یہ اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔

غرض عیدین مسلمانوں کے واسطے ایک عبرت کا مقام ہیں۔ یا مصیبت اور دکھ کے کم کرنے کے لئے وقفے ہیں حقیقی عیدیں نہیں۔ ایک کھلونا ہیں جو روتے بچے کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے وہ اس کی بھوک و پیاس کو نہیں مٹا سکتا۔ صرف اس کی توجہ کو تھوڑی سی دیر کے واسطے دوسری طرف لگا کر اس کی تکلیف میں وقفہ کا کام دے سکتا ہے۔ یہی حال مسلمانوں کی موجودہ حالت میں ان کی عیدوں کا ہے۔ عارضی خوشی عارضی ہنسی کا موقع ان کو مل جاتا ہے اور یہ صرف غم غلط کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ ورنہ اس ذلت و رسوائی' ادبار و تباہی کے ہوتے ہوئے حقیقی خوشی کے معنی ہی کیا ہوئے جب دن رات باہم دنگا و فساد چھڑا رہتا ہے۔ تو ایسی صورت میں حقیقی عید کیا ہوئی؟

پس مسلمان حقیقی عید اور اصلی خوشی اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب موجودہ عید سے عبرت حاصل کر کے کھوئی ہوئی دولت و عزت' آبرو و ثروت' جاہ و جلال' تقویٰ و طہارت' نیکی و عبادت' رتبہ و مرتبت کی تلاش اور اس کے حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کر کے ان گُم شدہ چیزوں کو حاصل کر لیں گے اور جس طرح ایک وقت تھا کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام تھا اسی طرح اب بھی اسلام روحانی طور پر دنیا پر غالب ہو۔ اور جب مسلمان دلائل اور براہین' علم اور عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ کسی شخص کی گردن اسلام کے دلائل کے سامنے اونچی نہیں رہ سکتی اور کوئی باطل اس حق کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتا اُسی وقت اور صرف اسی وقت مسلمان حقیقی خوشی اور عید منانے کے قابل ہوں گے اور وہی سچی عید اور اصل خوشی کا دن ہو گا۔

اس واسطے میں اپنی جماعت کو خاص طور پر تاکید کرتا ہوں۔ اور زور سے توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کے لئے ایک بہت بڑی عید مخفی ہے اور وہ یہی ہے کہ دنیا کے تمام لوگ آپ

لوگوں کے ذریعہ سے حق اور راستی کی چٹان پر جمع ہو جائیں۔ اور پھر تمام ادیان اس حقیقی نور اور سیر کُن پانی کو پینے لگیں جو خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی معرفت دنیا کے بچاؤ کے واسطے نازل فرمایا اور جس کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

حضرت مسیح کی مثال کی طرح یہاں ایک ہی بیٹا کھویا ہوا نہیں ہے بلکہ ہزاروں لاکھوں پیارے بھائی گمشدہ ہیں جن کی تلاش اور راہنمائی آپ لوگوں کے ذمہ ہے۔ پس جس وقت آپ لوگ اس مقصد میں کامیاب ہوں گے وہی وقت حقیقی عید اور سچی خوشی کا ہو گا۔ نادان ہے جو ہنستا ہے اور بے وقوف ہے وہ جو خوش ہوتا ہے جب تک اپنے اس فرض اور غرض کو نہیں سمجھتا اور پورا نہیں کرتا۔ نادان بچہ اپنے باپ کی مرگ کا احساس نہ کر کے ہنستا اور کھیلتا پھرے تو یہ اس کی کم علمی اور جہالت و نادانی ہے۔ مُردہ باپ کو غسل دیتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر پرواہ نہ کرے اور بے علمی سے سمجھے کہ میرے باپ کو لوگ مل مل کر نہلا رہے ہیں اور خوش ہو تو یہ اس کی کم فہمی ہے۔ باپ کو کفن دیتے ہوئے دیکھ کر اگر وہ خوش ہو اور سمجھے کہ میرے باپ کو نئے کپڑے پہناتے ہیں تو یہ اس کی بے سمجھی ہے۔ کیونکہ یہ دراصل اس کے واسطے مصائب کا دروازہ ہے یہ تو اُس بیچارے کے واسطے ماتم کا وقت ہے۔ یہ وقت تو درحقیقت اس کے یُتم کی ابتدا ہے اور اس کے واسطے مصائب اور مشکلات کا پیش خیمہ ہے۔ مگر وہ اپنی کم علمی اور نادانی کی وجہ سے اسے سمجھتا نہیں اور خوشی کر رہا ہے۔ تو کیا اس کی یہ خوشی حقیقی خوشی ہو گی؟

پس وہ خوشی جس سے انسان غافل ہو جائے اور اپنے اصلی فرض کو اور اغراض و مقاصد کو بھول جائے وہ خوشی نہیں بلکہ ماتم ہے۔ اور اگر خوشی اور عید کو انسان اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کا ذریعہ اور محرک سمجھے تو وہ ایک گونہ عید اور خوشی ہو سکتی ہے۔

پس یہ عیدیں دراصل حقیقی عید اور سچی خوشی کے حصول کا ایک موقع دیتی ہیں۔ اگر آپ لوگ ان کو اصل غرض کے حصول کا ذریعہ و محرک یقین کر کے اس کے حصول میں سعی و کوشش کرنی شروع کر دیں۔ یہ وقت ہے کہ آپ لوگ ہر قسم کے دلائل و براہین جو اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے تازہ بتازہ دیئے ہیں ان کو لے کر اور نشانات سماوی کے ذریعہ سے دنیا پر حجّت تمام کر دیں۔ نہ ختم ہونے والا گولہ بارود اور ہر ایک دشمن کو مغلوب کرنے والا توپخانہ حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے

آپ لوگوں کو عطا کر دیا ہے۔ اب ضرورت ہے تو اس بات کی کہ آپ لوگ ڈٹ کر ان کا صحیح استعمال کریں اور نہ ہٹیں جب تک کہ منزل مقصود تک نہ پہنچ جائیں۔ انسان کو کامیابی کے واسطے دو ہی سامانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ایک ہتھیار دوسری قوت بازو۔ ہتھیار خدا نے آپ کو دے دیئے ہیں جو ایسے تیز اور کاری ہیں کہ ان کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں اور نہ کوئی ہتھیار ان کا مقابلہ کر سکتا ہے اب ضروت ہے کہ آپ لوگ دلوں کو مضبوط کر کے قوت بازو سے کام لیں۔ نہ کوئی خالی ہتھیار دنیا میں کام کر سکتا ہے اور نہ صرف قوتِ بازو غالب آ سکتی ہے۔ دونوں چیزیں مل کر کامیابی کا منہ دکھا سکتی ہیں۔ ایک چیز دنیا سے مسلمانوں کی غفلت اور بد عملی اور سُستی کی وجہ سے اٹھ گئی تھی سو وہ بھی خدا تعالیٰ نے دوبارہ آپ لوگوں کو دیدی ہے اور وہ دلائل و براہین کی تیز تلوار اور تباہ کن توپ ہے۔ اب ان کا استعمال کرنا آپ لوگوں کے ذمہ ہے۔

دیکھو اگر یہ کام ملائکہ نے ہی کرنا ہوتا اور انسانی محنت اور تبلیغ اور سعی کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ضرور ملائکہ اسلام کے دشمنوں کو زیر کرتے پھرتے۔ نہ صحابہ کو محنت کرنی پڑتی نہ ملک چھوڑنے پڑتے اور نہ مشکلات اور مصائب برداشت کر کے جانیں تک دینی پڑتیں خود بخود سب کام ملائکہ کے ذریعہ سے ہو جاتے۔ مگر نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ آنحضرتؐ کو دن اور رات جان توڑ محنت برداشت کرنی پڑی۔ لوگوں سے دکھ اٹھانے پڑے۔ صحابہؓ کی جانیں تک اس راہ میں خرچ ہوئیں جب جا کر یہ کام ہوا۔

پس بعینہٖ اب بھی اسی طرح ہو گا۔ جب تک ہر شخص اس بات کے لئے تیار نہ ہو جائے کہ اسے دین کے لئے اپنی عزت، آبرو، جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہ ہو گا یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔ ضروت ہے ہر احمدی اپنے اس فرض کو سمجھے اور دین کی تبلیغ واشاعت کے واسطے ہر قسم کی قربانی کو تیار ہو جائے۔

کام تو جو مقدّر ہوتا ہے ہو کے رہتا ہے مگر افسوس اس شخص کے لئے جو اس خدمت سے بے نصیب رہ جائے اور اس کے جان و مال کا اس میں کوئی حصہ شامل نہ ہو۔

اسلام ضرور کامیاب ہو گا اور ہو کر رہے گا یہ مقدّر ہو چکا ہے مگر تلوار کے ذریعہ سے نہیں کیونکہ یہ زمانہ تلوار کا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دنیا نے تلوار سے مقابلہ کیا تھا۔ چنانچہ اُس وقت تلوار سے ہی اس کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ دشمن کو جس چیز پر گھمنڈ تھا اور جس

طاقت کا ناز تھا اس کو مقہور و مغلوب کر کے دکھا دیا گیا کہ اسلام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مگر آج دشمن تلوار نہیں اٹھاتا بلکہ اسلام پر طعن کرتا اور ہنستا ہے کہ اسلام نے تلوار کے زور سے ہمارے بدن اور جسم کو مغلوب کیا تھا نہ کہ ہمارے دلوں کو۔ اسلام ہمارے دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ہماری سائنس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ نادان نہیں سمجھتا ضد اور تعصّب کی پٹی اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی ہے اور وہ جھوٹی محبت میں ایسا اندھا ہوا ہے کہ حق پوشی کرتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اسلام نے تلوار بھی دفاعی رنگ میں اٹھائی اور خود حفاظتی کے لئے پکڑی جب کہ کفار کے مظالم کی کوئی انتہا ہی نہ رہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دشمن کو یہ پہلو بھی دکھا دیا اور مسیح موعود کے ذریعہ سے جو آنحضرت ﷺ کے ایک غلام ہیں اس کو دلائل و براہین کے مقابلہ میں مغلوب و مقہور کر کے بتا دیا کہ وہ اس میدان میں بھی اسلام کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ مگر گو اصولی طور پر اسلام کے دشمنوں کو مسیح موعود کے وقت میں شکست دے دی گئی مگر اب سب دنیا میں ان ہتھیاروں کے ذریعہ سے جو مسیح موعود نے ہمیں بہم پہنچائے ہیں اسلام کا پھیلانا ہماری جماعت کا کام ہے۔ اور خوش قسمت ہیں وہ جن کے ذریعہ سے اور جن کی سعی اور کوشش سے یہ کام انجام پذیر ہو گا۔ یہ فکر تو دور ہو چکی کہ اسلام غالب ہو گا یا نہیں۔ اسلام غالب ہو گا اور ضرور غالب ہو گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کس کے ذریعہ سے اور کس کی وساطت سے۔ موجودہ حالات بتاتے ہیں کہ ہمارے ذریعہ سے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں احمدیت کے قبول کرنے کی توفیق دی ہے۔ مگر کیا ہمارے حالات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں؟ کیا ہماری کوششیں بھی ہمیں اس بات کا مستحق بناتی ہیں کہ ہمارے ہاتھ سے یہ کام پورا ہو؟ ہر شخص اپنے حالات پر غور کر کے دیکھے کہ کیا اس کی قربانی دینِ اسلام کی خدمت کے لئے ایسی ہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کیا جاوے۔ اکثروں کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ بات یوں نہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ باہم کینہ و فساد جھگڑا و عناد ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جانا، اتفاق و اتحاد کی بھی پرواہ نہ کرنا موجود ہے۔ حالانکہ ضرورت تھی اور وقت تھا کہ اتفاق و اتحاد کے لئے اپنی ذاتی اغراض کو ترک کیا جاتا اور اتحاد کے واسطے اپنے اغراض کو قربان کر دیا جاتا۔ ذرا ذرا سی بات پر ابتلا آ جاتے ہیں۔ انتظام نہیں ہے، قربانی کا مادہ نہیں، اتنا بھی نہیں جتنا ان دنیوی سپاہیوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کا افسران کو خواہ کیسے ہی خطرناک موقع پر جانے کا حکم دے انکار

نہیں کرتے۔ جان جائے مگر نافرمانی نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات صریح غلط اور تباہ کن احکام کی بھی تعمیل کرنی پڑتی ہے مگر سر نہیں پھیرتے۔ بے چون و چرا چلے جاتے ہیں۔ ورنہ انتظام جاتا ہے۔ تمام کی تمام فوج تباہ ہوتی ہے۔ دیکھو کبھی بھی کوئی ایسی لڑائی نہیں لڑی گئی جس میں تمام جرنیلوں کا اتفاق رائے ہو یعنی طرز جنگ وغیرہ میں۔ مگر ایک دوسرے کی بات پر اپنی رائے اور تجربہ کو قربان کرتا ہے اور جہاں اس کے خلاف ہوتا ہے ہلاکت اور تباہی وہیں اپنا دامن دراز کردیتی ہے۔

موجودہ جنگ [۸] میں اس امر کی ایک تازہ مثال موجود ہے۔ روس کے ملک میں سامان جنگ کافی موجود تھا۔ آدمیوں کی کمی نہ تھی۔ مگر پھر جرمنی کے مقابلہ میں اسے شکست ہوئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے افسروں اور سپاہیوں میں قربانی کا مادہ موجود نہ تھا۔ ہر شخص اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا تھا اور اپنی ذاتی رائے کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ مسٹر کرنسکی [۹] جو روسی حکومت کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں انہوں نے ابھی حال میں ایک تقریر میں بیان کیا ہے کہ گولہ بارود اس وقت ہمارے پاس اس قدر موجود تھا کہ اس سے پہلے کبھی موجود نہ تھا اور سپاہی اس قدر موجود تھے لیکن ایک چیز نہ تھی اور وہ انتظام ہے۔ [۱۰] کوئی شخص دوسرے کی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ فطرت انسانی میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ حقیقی خطرے کے وقت انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ مثلاً کسی کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہو اور لوگ اس کے بجھانے میں مشغول ہوں تو اس وقت اگر ایک بوڑھا بھی گھر کے مالک کو اس آگ کے بجھانے کے متعلق حکم دینے لگے تو اس کے قبول کرنے میں وہ عُذر نہیں کرتا۔ اس وقت افسری اور ماتحتی کا خیال نہیں رہتا۔ اب اگر اسلام کے خطرے کو لوگ اپنا خطرہ خیال کرتے ہیں تو کیوں اپنے تمام جذبات اس کی کامیابی کے لئے قربان کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور خاموش اور غافل ہیں۔ یہ امر دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اس خطرہ کو جہالت کی وجہ سے اپنا خطرہ نہیں سمجھتے یا **نعوذ باللہ** اسلام کو سچا نہیں یقین کرتے ورنہ مسلمان اسلام سے جُدا نہیں ہیں۔ اسلام اگر ترقی نہ کرے گا تو مسلمان زیادہ سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ پس اسلام کی عزت درحقیقت مسلمانوں کی عزت اور اسلام کی ترقی درحقیقت ان کی ترقی ہے۔ معلوم ہوتا ہے مسلمان اسلام کے خطرے کو اپنا خطرہ نہیں سمجھتے۔ اور اسلام کی نکبت کو اپنی نکبت یقین نہیں کرتے۔ ورنہ ان کی تو وہ مثال ہے کہ کوئی شخص اپنا پاؤں آپ کلہاڑی سے کاٹے۔ اسلام اگر ترقی نہیں کرے گا

تو مسلمان کیونکر خوشحال ہو سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔

مسلمان اسلام سے الگ نہیں ہو سکتے البتہ اسلام مسلمانوں سے الگ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اپنے فرائض سے واقف نہ ہوئے اور ست بیٹھے رہے تو خدا کوئی اور قوم لائے گا جو اسلام کی خادم ہوگی۔ [۶] مگر وہ دن ماتم کا ہوگا نہ کہ خوشی کا۔

پس اگر حقیقی عید دیکھنا چاہتے ہو تو اسلام کی ترقی کے لئے پوری سعی کرو۔ اور اسلام کی ترقی وابستہ ہے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پر۔ اور اتحاد و اتفاق کبھی پیدا نہیں ہو سکتے جب تک ہر شخص سچے دل سے ہر ایک چیز کو اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہو جاوے۔

خوب یاد رکھو کہ جب تک وہ عید جو حقیقی عید ہے قریب لانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اُس وقت تک یہ عید بھی ایک کھلونا ہے حقیقی عید نہیں۔ فاخرہ لباس اور خوشبو لگا کر خوش ہو جانا کسی کام کا نہیں جب تک دلوں میں حقیقی خوشی پیدا نہ ہو۔ اور وہ پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اسلام کی خدمت نہ کرو اور اسلام کے واسطے سچی قربانی نہ کرو۔

دنیا داروں میں قربانی کی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ہم میں کچھ بھی نہیں۔ وہ لوگ ایک مدرسہ کھولتے ہیں تو اس کے لئے بیسیوں قربانی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر برخلاف اس کے اسلام کے اہم کاموں کے لئے بھی بہت کم لوگ قربانی کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص پانچ دس روپے کم لے کر بھی اگر کسی کام کے لئے لگتا ہے تو اس کو احسان سمجھتا ہے اور اس کا احسان جتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو قربانی کی توفیق دے تا عید ان کے لئے حقیقی خوشی اور سچی عید ہو۔

(الفضل ۲۳۔ جولائی ۱۹۱۸ء)

---

[۱] الاعلیٰ: ۲ تا ۲۰

[۲] المنجد ۱۹۴۷ء ایڈیشن بیروت صفحہ ۵۶۲

[۳] مفردات امام راغب زیر لفظ "عود"

[۴] لوقا باب ۱۵۔ آیات ۱۱ تا ۳۲

[۵] متی باب ۱۵ آیت ۲۴

[۶] الروم: ۴۲

۷ بخاری کتاب الدعوات باب التوبۃ جلد۲ صفحہ ۹۳۳ طبع ہندی

۸ جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء کی طرف اشارہ ہے۔

۹ Aleksandr F. Kerenskii ۱۸۸۱ء

۱۰ Historians' History of the world Vol. XXVI.

These Eventful Years: Part 11 P:80

سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ روسی ارباب اختیار نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ جرمنی کی افواج کے ہاتھوں روسی افواج کی تباہی اور شکست کی اصل وجہ انتظام کی خرابی تھی۔

Reference Department, Slavic and Central European Division (The Library of Congress)

کے نزدیک یہ بات کرنسکی نے ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء کے ابتدائی ایام میں Duma میں تقریر کرتے ہوئے کہی تھی

Sergius yakobson Chief, Slavic and Central Europen Division)

مکتوب مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۶۸ء بنام مرتب)

SCHOOL OF SLAVONIC AND EAST EUROPEAN STUDIES UNIVERSITY OF LONDON

کے نزدیک اس بات کی تصدیق

KERENDKY, A, The crucifixion of liberty. London. 1934.

سے بھی ہو سکتی ہے۔ (مکتوب مؤرخہ ۲۲۔ اگست ۱۹۶۸ء از

SCHOOL OF SLAVONIC AND EAST EUROPEAN STUDIES Librarian,

بنام مرتب)

۱۱ محمد: ۳۹